3

ریاست

﴾انشائی...... حصہ اول﴿

سوال 1: ریاست کی تعریف کریں اور اس کے اجزائے ترکیبی کو مختصراً بیان کریں۔ (فیصل آباد بورڈ 2014ء)

جواب : تعارف: ریاستی تصور چند ہزار سال پہلے منظر عام پر آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے تین چار سو سال قبل قدیم یونانی ریاستیں وجود میں آئیں۔ اس سے پہلے لوگ قبائلی انداز میں رہتے تھے۔ قدیم یونانی ریاستیں الگ الگ آباد تھیں۔ 158 ریاستیں جو یونان کے اندر قائم تھیں انہیں شہری ریاستیں پکارا گیا۔ یونانیوں کے بعد رومیوں نے ریاستوں کو وسعت دی۔ جنگی فتوحات کی بدولت چھوٹی ریاستیں بڑی ریاستوں میں شامل ہو گئیں۔ پانچویں صدی عیسوی میں ان خود مختار اور آزاد ریاستوں کو سٹیٹس (States) کا نام دے دیا گیا۔

ریاست کی تعریف (Definition of State)

مختلف سیاسی ماہرین نے اپنے اپنے نقطہ نظر کے لحاظ سے ریاست کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ جن میں سے چند ایک اہم اور مشہور و مقبول درج ذیل ہیں:

1- ارسطو (Aristotle): ''ریاست کنبوں اور دیہات کا ایسا مجموعہ ہے جس کے پیش نظر خود کفیل زندگی کا حصول ہے۔''

2- وڈرو ولسن (Woodrow Wilson): ''ریاست ایسی آبادی کو کہتے ہیں جو کسی مخصوص علاقے میں قانون کی خاطر منظم ہو۔''

3- لاسکی (Laski): ''ریاست ایسی علاقائی اور معاشرتی تنظیم ہے جو حکومت اور رعایا میں منقسم ہو اور اپنی مخصوص علاقائی حدود میں دیگر تمام اداروں پر فوقیت رکھتی ہو۔''

4- گارنر (Garner): ''ریاست متعدد افراد کی ایسی جمعیت کا نام ہے جو مستقل طور پر کسی علاقے پر قابض ہو اور بیرونی دباؤ سے آزاد ہو۔ اور اس کی اپنی ایک منظم حکومت ہو جس کی اطاعت لوگوں کی غالب اکثریت عادتاً کرتی ہو۔''

5- برجیس (Burgess): ''ریاست انسانوں کا ایسا اجتماع ہے جو منظم وحدت کے اعتبار سے پہچانا جا سکتا ہو۔''

6- بلنٹشلی (Bluntschli): ''ایک مخصوص علاقے میں عوام کا سیاسی طور پر منظم ہونا ریاست کہلاتا ہے۔''

7- گروشیئس (Grotius): ''ریاست آزاد افراد کا ایسا گروہ یا اجتماع ہے جو مشترکہ مفادات کے تحفظ کے لئے جمع ہوئے ہوں۔''

8- شاہ ولی اللہ (Shah Wali Ullah): ''ریاست سے مراد محض دیہات، شہر اور قلعے نہیں بلکہ یہ انسانوں کا منظم گروہ ہے جو ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے تعاون کرتا ہے۔''

9- گلکرائسٹ (Gilchrist): ''ریاست ایک ایسی حکومت ہے جس کے زیر نگرانی لوگ ایک مخصوص علاقے میں متحد ہو کر اندرونی اور بیرونی آزادی کا تحفظ کرتے ہیں۔''

10- فلی مور (Philimore): ''ریاست سے مراد علاقہ میں مستقل آبادی جس کے رسم و رواج اور قانون مشترک ہوں اور ایک مضبوط حکومت ہو جو قانون نافذ کرنے اور اندرونی و بیرونی معاملات کا اختیار رکھتی ہو۔''

سوال: ریاست کے ضروری عناصر بیان کیجئے۔ (لاہور بورڈ 2015ء، گوجرانوالہ بورڈ 2013ء)

جواب: ریاست کے اجزائے ترکیبی (Ingredients of State)

اول آبادی، دوم علاقہ، سوم حکومت، چہارم اقتدار اعلیٰ۔

1- آبادی (Population): ریاست کے وجود کے لئے سب پہلی اور ضروری شرط آبادی ہے۔ انسانی آبادی کے بغیر کوئی ریاست معرض وجود میں نہیں آسکتی۔ آبادی میں مرد، عورتیں اور بچے بھی شامل ہوتے ہیں اور وہ ہر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ریاست میں آبادی کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ آبادی کی تعداد کے سوال پر مفکرین میں ہمیشہ ہی اختلاف رہا ہے۔ قدیم یونانی فلسفی افلاطون اور ارسطو زیادہ آبادی کے حق میں نہ تھے۔ کیونکہ اس زمانہ کی شہری ریاستوں کے جغرافیائی حالات اور انتظامی اور سیاسی معاملات تھوڑی آبادی کے متقاضی تھے۔ افلاطون تو اپنی مثالی ریاست کی آبادی صرف پانچ ہزار چالیس (5040) افراد تک محدود رکھتا ہے۔ موجودہ دور میں ایسی ریاستیں بھی موجود ہیں جن میں کروڑوں نفوس آباد ہیں مثلاً چین، بھارت اور امریکہ اور دوسری طرف ایسی چھوٹی ریاستیں بھی ہیں جن کی آبادی دو چار لاکھ ہے مثلاً پانامہ، لبنان اور البانیہ وغیرہ۔

ریاست میں آبادی کے تعین کے لئے کوئی مقررہ اور واضح اصول قائم نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم جدید مفکرین کی رائے میں آبادی نہ تو اتنی زیادہ ہو کہ ملکی وسائل ان کو مناسب طور پر کھانے پینے اور پہننے کی اشیا بھی فراہم نہ کرسکیں اور وہ بھوکوں مرجائیں اور نہ ہی اتنی کم ہو کہ تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت، زراعت اور علم و فن کے شعبے وغیرہ ضروری کارکنوں سے خالی ہو جائیں اور نہ ہی ریاست کا موثر طور پر دفاع ہوسکے۔

2- علاقہ (Territory): ریاست کا دوسرا لازمی عنصر علاقہ ہے، کیونکہ انسانوں کو رہنے سہنے کے لئے خطہ ارضی چاہئے کہ جہاں وہ پرامن طور پر رہ سکیں۔ ریاست کی حدود بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ ہونی چاہئیں۔ علاقہ کے متعلق بھی کوئی قطعی اصول مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا میں ایسی ریاستیں بھی ہیں جن کا رقبہ بہت تھوڑا ہے۔ مثلاً مناکو کا رقبہ صرف آٹھ مربع میل ہے۔

قدیم اور قرون وسطیٰ کے مفکرین تھوڑے رقبے کے قائل تھے۔ ان کی رائے تھی کہ ریاست کا رقبہ جتنا تھوڑا ہوگا اس کا نظم و نسق اتنا ہی خوش اسلوبی سے سرانجام ہوسکے گا۔ مگر موجودہ صنعتی دور میں یہ نظریہ بالکل بدل گیا ہے۔ آج کل وسیع و عریض رقبے والی ریاستوں کا احترام کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بڑی ریاست ہوگی تو جنگ کی صورت میں ناقابل تسخیر ہوگی۔ وسیع علاقے کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر طرح کے وسائل مل سکیں گے۔ علاقے میں جنگلات، صحرا، میدان، پہاڑ اور دریا ہونے سے زراعت اور معدنیات کا وافر ذخیرہ ہوگا جو ریاست کی خوشحالی اور مضبوطی کا باعث بنے گا۔

3- حکومت (Government): ریاست کا تیسرا ضروری عنصر حکومت ہے۔ حکومت ریاست کی وہ مشینری یا آلہ ہے جس کے ذریعے ریاست اپنے مقاصد اور مرضی کو ظاہر کرتی اور بروئے کار لاتی ہے۔ حکومت کے فرائض یہ ہیں کہ ریاست کے اندر مکمل امن وامان ہو، ریاست کی سرحدیں بیرونی جارحیت سے محفوظ ہوں اور عوام سکون کے ساتھ اپنے کاروبار کو جاری رکھ سکیں۔ حکومت کے تین اہم شعبے ہیں:

1- مقننہ 2- انتظامیہ 3- عدلیہ

مقننہ ریاست کے لئے قانون بناتی ہے جب کہ انتظامیہ اس قانون کو نافذ کرتی ہے اور نظم و نسق چلاتی ہے۔ عدلیہ ملکی قوانین کے مطابق تنازعات کا تصفیہ کرتی ہے اور لوگوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت بہم پہنچاتی ہے۔ مختصر الفاظ میں حکومت کا کام ریاست کو بدامنی سے بچانا، اس میں نظم و نسق کی نگرانی کرنا، عوام کے لئے عدل و انصاف مہیا کرنا اور ملک کا موثر دفاع کرنا ہے۔

4- اقتدار اعلیٰ (Sovereignty): ریاست کا ایک اہم اور لازمی عنصر اقتدار اعلیٰ ہے۔ ایک لحاظ سے یہ عنصر سب سے زیادہ اہم ہے اور ریاست کے وجود اور بقا کے لئے شرط اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خصوصیت ریاست کی روح ہے۔ ریاست اسی خصوصیت کی بنا پر اپنے تمام معاملات میں ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی دباؤ سے بالکل آزاد ہوتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ ہی وہ کسوٹی ہے جس کے ذریعے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی ملک صحیح معنوں میں آزاد ملک ہے یا نہیں۔ اقتدار اعلیٰ کی خصوصیات استقلال، پائیداری اور مطلق العنانیت ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر ریاست کے چار بنیادی اجزا ہوتے ہیں: آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ اور ان عناصر میں

سے کسی ایک کی غیر موجودگی ریاست کو ریاست نہیں رہنے دیتی۔

سوال: مندرجہ ذیل میں فرق بیان کیجئے:

(الف) ریاست اور حکومت (ب) ریاست اور قوم

(ج) ریاست اور معاشرہ (د) ریاست اور انجمن

جواب:

(الف) ریاست اور حکومت میں فرق

(Difference Between State and Government)

عام طور پر ریاست اور حکومت کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں بڑا فرق موجود ہے۔

1- حکومت ریاست کا جزو ہے (Government is Part of State): ریاست چار عناصر سے مل کر تشکیل پاتی ہے: آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ۔ اس طرح حکومت ریاست کا ایک اہم عنصر ہے، اس لیے ان کے درمیان کل اور جزو کا فرق ہے۔ ریاست کل اور حکومت اس کا جزو ہے۔

2- ریاست کے ارکان تمام شہری ہوتے ہیں (All Citizens are Members of State): تمام شہری حکومت کے ارکان ہوتے ہیں جب کہ حکومت آبادی کے ایک مختصر سے حصہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ گویا ریاست میں تمام لوگ شامل ہوتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ تمام لوگ حکومت کے رکن بھی ہوں۔

3- علاقائی تنظیم (Territorial Organisation): ریاست ایک علاقائی تنظیم ہے اور اس کے لئے مخصوص علاقہ کا ہونا ضروری ہے، لیکن بعض حالات میں حکومت بغیر علاقے کے بھی عارضی طور پر قائم کی جا سکتی ہے۔ مگر ریاست کا قیام بغیر کسی مخصوص علاقے کے ممکن نہیں۔

4- اقتدار اعلیٰ (Sovereignty): ریاست کے پاس اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے مگر حکومت کے پاس نہیں ہوتا۔ حکومت صرف انہی اختیارات کا استعمال کرتی ہے جو ریاست اسے عطا کرتی ہے۔ حکومت صرف ریاست کے اختیارات کو عمل میں لانے والی فقط ایک ایجنسی ہے۔

5- مستقل ادارہ (Permanent Organization): ریاست ایک مستقل اور پائیدار ادارہ ہے۔ اس میں تسلسل اور دوام کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ مگر حکومت بالکل عارضی ہے اور یہ آئے دن بدلتی رہتی ہے۔

6- مجرد تصور (Authentic Concept): ریاست ایک مجرد تصور ہے۔ اس کا وجود غیر طبعی ہے۔ ہم اس کا احساس تو کرتے ہیں لیکن اس کی شکل و صورت نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے برعکس حکومت کو دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ہم حکومت کے وزیروں، مشیروں، ججوں، نمائندوں وغیرہ کو اپنے اپنے فرائض انجام دیتے دیکھ سکتے ہیں مگر ریاست کو بذات خود نہیں دیکھ سکتے۔

7- یکساں خصوصیات (Same Features): ریاست کی خصوصیات ہر جگہ یکساں ہوتی ہیں جب کہ مختلف ملکوں میں حکومتوں کی اقسام میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ ہر ملک میں ریاست چار عناصر سے مل کر وجود میں آتی ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو امریکہ اور انگلستان میں ایک جیسی ریاستیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان حکومتوں میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ امریکہ میں صدارتی نظام حکومت رائج ہے جب کہ انگلستان میں پارلیمانی نظام حکومت۔

(ب) ریاست اور قوم میں فرق (Difference Between State and Nation): قوم اور قومیت کی طرح عام طور پر ریاست اور قوم کی اصطلاحیں بھی ہم معنی سمجھی جاتی ہیں۔ لیکن درحقیقت ان کا مفہوم ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہے۔ قوم سے مراد افراد کا ایسا گروہ ہے جو آزاد ہو یا آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد کرتا ہو۔ جب کہ ریاست سے مراد افراد کا ایسا اجتماع ہے جو کسی مخصوص علاقہ میں سیاسی طور پر منظم ہو۔ ذیل میں دونوں کا فرق واضح کیا جاتا ہے:

-1 ریاست کے لئے علاقہ کا ہونا ضروری ہے لیکن قوم بغیر علاقے کے بھی وجود میں آ سکتی ہے۔ یعنی قوم علاقائی حد بندیوں سے بے نیاز ہے۔ یہودی ساری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ ایک قوم تھے۔ 1948ء میں جب انہوں نے ریاست قائم کر لی تو ایک قومی ریاست معرض وجود میں آ گئی۔

-2 ریاست کے پاس اقتدار اعلیٰ کا ہونا لازمی ہے۔ اس کے بغیر ریاست کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا لیکن قوم کے پاس اقتدار اعلیٰ نہیں ہوتا۔

-3 ریاست کے لئے حکومت ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر ریاست اپنی منشا کا اظہار نہیں کر سکتی۔ لیکن قوم حکومت کے بغیر بھی تشکیل پا سکتی ہے۔

-4 قوم کے افراد میں تہذیبی وحدت بہت ضروری ہے جب کہ ریاست میں کئی قومیں آباد ہو سکتی ہیں۔

-5 ریاست خود مختار اور آزاد ہوتی ہے جب کہ قوم کا درجہ حاصل کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ آزاد اور خود مختار ہو۔ البتہ آزادی کی خواہش اور اس کے لئے سیاسی تنظیم لازمی شرط ہے۔

(ج) ریاست اور معاشرے میں فرق (Difference Between State and Society): ریاست اور معاشرے میں مندرجہ ذیل حیثیتوں سے فرق کیا جا سکتا ہے:

1- ریاست ایک علاقائی تنظیم ہے (State is a Territorial Organisation): ریاست ایک علاقائی تنظیم ہے اور علاقے کے بغیر ریاست کا تصور ہی ناممکن ہے۔ معاشرہ علاقائی حدود سے بے نیاز ہوتا ہے اور ایک مخصوص خطہ ارضی کے بغیر بھی معاشرے کا وجود قائم رہ سکتا ہے۔ مثلاً پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے جو مخصوص علاقے کے اندر واقع ہے مگر اسلامی معاشرہ ان تمام ریاستوں اور قوموں تک پھیلا ہوا ہے جہاں مسلمان آباد ہیں۔

2- اقتدار اعلیٰ (Sovereignty): ریاست اقتدار اعلیٰ کی مالک ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ریاست باشندوں پر جبر اور سختی کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ لیکن معاشرے کے پاس اقتدار اعلیٰ نہیں ہوتا' اس لئے وہ اپنے افراد پر جبر کرنے کا مجاز نہیں۔

3- ریاست کی رکنیت لازمی ہے (State Membership is Compulsory): ریاست کی رکنیت لازمی ہوتی ہے۔ ہر شخص پر کسی نہ کسی ریاست کی رکنیت لازمی ہے لیکن معاشرے کی رکنیت جبری نہیں بلکہ اختیاری اور رضاکارانہ ہوتی ہے۔

4- محدود مقاصد (Limited Objectives): ریاست کا مفہوم محدود ہے۔ ریاست بنیادی طور پر ایک سیاسی ادارہ ہے اور اس کا سروکار صرف سیاسی معاملات سے ہے۔ اس کے برعکس معاشرہ ایک وسیع اور کثیر المقاصد تنظیم ہے اور اس کا تعلق فرد کی معاشی' ثقافتی' معاشرتی' سیاسی' مذہبی اور دیگر سرگرمیوں سے ہوتا ہے۔

5- ریاست کے لئے تنظیم ضروری ہے (Organisation is must for State): ریاست ایک اعلیٰ درجہ کی تنظیم ہے۔ یہ حکومت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ حکومت کے بغیر ریاست کا نظام درہم برہم ہو جائے گا مگر معاشرے کے لئے تنظیم کی چنداں ضرورت نہیں۔ معاشرہ منظم بھی ہو سکتا ہے اور غیر منظم بھی۔

(د) ریاست اور انجمن میں فرق
(Difference Between State and Association)

ریاست اور انجمن میں فرق اور اختلافات درج ذیل ہیں:

1- لازمی رکنیت (Compulsory Membership): ریاست کی رکنیت لازمی ہوتی ہے لیکن دوسری انجمنوں کی رکنیت رضاکارانہ اور اختیاری ہوتی ہے۔ ریاست کی رکنیت ترک نہیں کی جا سکتی لیکن فرد اپنی مرضی سے کسی انجمن کا رکن بنتا ہے اور جب چاہے اس سے علیحدگی اختیار کر سکتا ہے۔

2- واحد رکنیت (Single Membership): ایک شخص ایک وقت میں صرف ایک ہی ریاست کا رکن ہو سکتا ہے جب کہ ایک شخص

بیک وقت کئی انجمنوں کا رکن بن سکتا ہے۔

3-اقتدار اعلیٰ (Sovereignty): ریاست اقتدار اعلیٰ کی مالک ہوتی ہے اور اسی بنا پر تمام افراد پر اپنے فیصلے اور احکام صادر کرنے کا اختیار رکھتی ہے جب کہ دوسری انجمنوں کو اپنے احکام صادر کرنے اور ارکان کو اطاعت پر مجبور کرنے کا کوئی قانونی اختیار نہیں ہوتا۔ کیونکہ انجمنوں کے پاس اقتدار اعلیٰ نہیں ہوتا۔

4-مستقل ادارہ (Permanent Organisation): ریاست ایک مستقل اور پائیدار ادارہ ہے۔ اس کے برعکس دوسری انجمنیں مستقل نہیں ہوتیں بلکہ ان کا وجود عارضی ہوتا ہے اور انہیں کسی بھی وقت ختم کیا جا سکتا ہے۔

5-مقاصد (Objectives): ریاست کا دائرہ کار بہت وسیع اور اس کی سرگرمیاں لامحدود ہوتی ہیں جب کہ ہر انجمن کسی خاص مقصد یا مقاصد کے لئے بنائی جاتی ہے۔ اس کی سرگرمیاں ان مقاصد تک محدود ہوتی ہیں۔

6-فوقیت (Superiority): ریاست کو دوسری تمام انجمنوں پر فوقیت اور برتری حاصل ہوتی ہے۔ اگر ریاست کو معلوم ہو جائے کہ کوئی انجمن ملکی امن میں خلل ڈال رہی ہے تو اس کو ختم کر دیا جاتا ہے۔

......☆......

ریاست کی تخلیق یا ابتدا کے بارے میں نظریات
(Theories About Origin of State)

سوال: ریاست کی ابتدا کے بارے میں کوئی سے دو نظریات کا تفصیلی جائزہ پیش کریں۔

جواب: ریاست کی تخلیق یا ابتدا کے بارے میں یعنی یہ کہ ریاست کب اور کس طرح وجود میں آئی وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ قدیم یونانی مفکر ارسطو سے لے کر دور جدید کے سیاسی فلاسفروں تک یہ بحث مسلسل چلتی رہی ہے کہ کیا ریاست ایک فطرتی ادارہ ہے اور یہ انسان کی پیدائش سے ہی چلا آ رہا ہے یا یہ ایک ایسا ادارہ ہے جسے خود انسان نے جنم دیا اور یہ آہستہ آہستہ موجودہ شکل اور معیار تک پہنچ گیا ہے۔ کیا ریاست بذات خود ایک مقصد ہے یا یہ کسی مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے؟ ان فلاسفروں کی تحقیق اب تک کسی حتمی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکی تاہم انہوں نے ریاست کی ابتدا کے بارے میں چند نظریات پیش کیے ہیں جن کا تفصیلی مطالعہ ذیل کے صفحات میں کیا جائے گا:

-1 نظریہ تخلیق ربانی
-2 نظریہ معاہدہ عمرانی
-3 نظریہ جبر و قوت
-4 نظریہ مادرسری
-5 نظریہ پدرسری
-6 نظریہ ارتقائے ریاست یا تاریخی نظریہ
-7 مارکسی نظریہ ریاست

اب ہم قدرے تفصیل سے باری باری ان نظریات کے بارے میں اظہار خیال کریں گے۔

نظریہ تخلیق ربانی (The Divine Origin Theory): ریاست کی ابتدا کے بارے میں سب سے اہم نظریہ تخلیق ربانی ہے کہ جس کو ریاست کی ابتدا کے سلسلے میں پیش کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس نظریہ کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ ریاست خداوند کریم کی تخلیق ہے۔ گویا اس نظریے کے مطابق ریاست کا بانی خود خدا ہے۔ جس طرح سے خدا نے آسمان، چاند، سورج، پہاڑ پیدا کیے اس طرح ریاست کو بھی بنایا اور یہیں سے ریاست کی ابتدا ہوئی۔ اس نظریہ کو پیش کرنے والوں کے خیال میں نہ تو ریاست کسی معاہدہ کا نتیجہ ہے اور نہ ہی طاقت کے بل بوتے پر قائم کی گئی۔ کسی انسان کا ریاست کی ابتدا کے سلسلے میں کوشش یا حصہ نہیں ہے بلکہ ریاست محض خداوند کریم کی رحمت اور مہربانی کا نتیجہ ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ انسانوں کی بہتری اور فلاح کے لیے خدا نے جہاں ریاست تشکیل کی وہاں اس نے ایک فرد کو ریاست پر حکومت کرنے کے لیے بھی چن لیا اور اس نظریے کے پیش کرنے والوں نے یہ بات کہی کہ جو آدمی ریاست پر کنٹرول اور حکومت کرنے کے لیے خدا کی طرف سے چن لیا گیا ہے اس کی اطاعت کرنا بنی نوع انسان کے

لیے لازمی ہوگیا ہے۔ جواس کی اطاعت سے انکار کرتا ہے وہ نہ صرف ایک ملکی مجرم ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ مذہبی طور پر گنہگار ہے' کیونکہ اس نے ایک حاکم یا بادشاہ کے حکم کی ہی نافرمانی نہیں کی بلکہ اس نے خدا کے احکام کی بھی خلاف ورزی کی ہے۔ بادشاہ خود خدا کا نمائندہ ہے اور وہ خدا کا مقرر کردہ ہے۔ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے اور اس کی نافرمانی خود خدا کی نافرمانی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس نظریے کو پیش کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ عوام کا کام ہے کہ بادشاہ کی اطاعت وتابع فرمانی کرتے چلے جائیں۔ ان کا کام بادشاہ سے باز پرس نہیں ہے۔ بادشاہ صرف خدا کے سامنے جواب دہ ہے نہ کہ عوام کے سامنے۔ یہاں پر یہ نظریہ مطلق العنانیت کی طرف لوٹتا ہے جس کے حق میں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بادشاہ عوام کی بجائے خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے' اس لئے بادشاہ عوام کی بجائے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ جس طاقت نے اسے مقرر نہیں کیا اس طاقت کو اس سے جواب طلبی کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ گویا اس نظریے کے تحت عوام کو بادشاہ کے احکامات پر تنقید یا خود اس کی ذات پر تنقید کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ عوام کو اندھادھند احکامات کی پیروی کی تلقین کی گئی ہے۔ وہ مفکرین جنہوں نے اس نظریے کی حمایت کی ہے' ان میں سے جیمز اول جو کہ انگلستان کا مطلق العنان بادشاہ تھا اور مشہور مفکر Filmer بہت زیادہ مشہور ہیں۔ فلمر نے اپنی کتاب پیٹریارکا (Patriarcha) جو کہ 1880ء میں شائع ہوئی' میں اس نظریے کی حمایت کرتے ہوئے حضرت آدمؑ کو پہلا بادشاہ کہا ہے جو کہ خدا کی طرف سے اس مخلوق پر حکومت کرنے کے لئے چنے گئے۔

نمایاں خصوصیات: اگر ہم اس نظریے کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو مندرجہ ذیل نکات نمایاں ہوتے ہیں:

1- ریاست خدا کا تخلیق کردہ ادارہ ہے۔
2- نہ صرف ریاست بلکہ اس پر حکمران جسے عرف عام میں بادشاہ کہا جاتا ہے' خود خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔
3- ریاست پر حکومت کرنے کا حق موروثی طور پر باپ سے بیٹے کو ملتا ہے خواہ وہ اس کے لائق ہو یا نہ ہو۔
4- بادشاہ احکامات خداوندی کے تحت رعایا پر حکمرانی کرتے ہیں۔
5- وہ اپنے اعمال وکردار میں صرف خدا کے سامنے جواب دہ ہے یا ہیں اور عوام کو ان کا محاسبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ وہ خدا کی طرف سے خدا کے نائب کی حیثیت سے رعایا پر حکمران مقرر ہوئے ہیں۔
6- جس طرح خدا کے احکامات کی حکم عدولی گناہ عظیم ہے بالکل اسی طرح اس کے مقرر کردہ بادشاہ کے احکامات کی نافرمانی بھی گناہ عظیم ہے۔

تنقید:

1- مذہبی نظریہ (Religious Theory): اس نظریے پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس نظریے پر مذہبی رنگ غالب ہے جس کا عقل اور منطق کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ بادشاہ کی ہر حال میں اطاعت کی جائے خواہ وہ ظالم اور جابر ہی کیوں نہ ہو' اور اس کے غلط احکامات کی پابندی بھی بطور ایک مذہبی فریضہ کی جائے۔ یہ چیز ایک عقیدہ تو ہوسکتی ہے' لیکن عقل اور سمجھ اس کو نہیں مانتی۔

2- موروثی بادشاہت (Hereditary Monarchy): دوسرا اعتراض اس نظریے پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ نظریہ بادشاہت کو ایک موروثی حق قرار دیتا ہے جو کہ باپ کی موت کے بعد بیٹے کی طرف منتقل کردیا جاتا ہے۔ مخالفین کی رائے میں اس نظریے میں ایک بہت بھاری نقص ہے کہ جس کی وجہ سے اقتدار اعلیٰ کا حامل ایک ایسا شخص بھی ہوسکتا ہے جو ہر لحاظ سے نالائق ہو۔ جس کے دور حکومت میں ریاست کی ترقی اور عوام کی فلاح و بہبود کے تمام راستے مسدود ہونے کا خدشہ پیدا ہوسکتا ہے۔

3- خدا پر اعتراض (Objection on God): اس نظریے کے حامی ایک ظالم اور جابر بادشاہ کو بھی خدا کی طرف سے مقرر کردہ بادشاہ خیال کرتے ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ خدا خود رحم دل اور انصاف پسند ہے۔ اس سے اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ ظالم اور بے انصاف لوگوں کو رعایا پر ظلم وستم کرنے کے لیے مسلط کرتا ہے سراسر غلط ہے اور اس سے خدا کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔

4- غیر جمہوری نظریہ (Un-Democratic Theory): موجودہ دور کے لحاظ سے اس پر ایک اعتراض یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ نظریہ سراسر غیر جمہوری ہے اور اس قابل نہیں ہے کہ اس پر عمل کیا جاسکے۔ کیونکہ اس نظریے کے تحت صرف ایک شخص کو تمام افراد کی قسمت کا مالک بنادیا گیا

ہے اور عوام کے ہاتھوں میں سے ہر قسم کے اختیارات چھین لئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کی رعایا کی ذہنی اور فکری نشوونما اور ان کی سیاسی سوجھ بوجھ زنگ آلود ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے یہ نظریہ اس دور میں تو کامیاب ہو سکتا تھا جب لوگ جاہل مطلق اور سیاسی سمجھ سے عاری تھے لیکن موجودہ دور کا ساتھ دینا اس نظریے کے لیے بہت مشکل امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بادشاہت بطور طرز حکومت آہستہ آہستہ دنیا سے ختم ہوتی چلی جا رہی ہے۔

5- سیاسی عیاری (Political Cunning): اس نظریے کے مخالفین کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ نظریہ قدیم زمانے کے بادشاہوں کی ایک سیاسی عیاری اور چالاکی تھی تاکہ اس نظریے کی آڑ میں وہ عوام کے دل و دماغ پر پوری طرح سے مسلط ہو جائیں اور اس طرح سے عوام پر حکمرانی کی راہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صاف ہو جائیں۔ تاکہ نہ صرف وہ بلکہ ان کی اولاد بھی بڑی آسانی کے ساتھ عوام پر حکمرانی کر سکے۔

6- قدامت پسندی (Conservativism): اس نظریے پر عمل کرنے سے جدید ترقی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ قدامت پسندی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جس سے عوام میں جہالت، کم سیاسی شعور، کم ظرفی، عاقبت نا اندیشی اور جہالت کے پیدا ہونے کا خدشہ بڑھتا ہے اور اس سے زیادہ نقصان دہ اس دور میں نوع انسانی کے لیے اور کوئی چیز نہیں۔ گویا یہ نظریہ عوام کو قدیم دور کی طرف لے جاتا ہے۔ حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید دور کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس نظریہ کو موجودہ دور میں ناقابل عمل قرار دیا جاتا ہے۔

خوبیاں (Merits): ان نقائص اور برائیوں پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کے باوجود اس نظریے میں پنہاں چند خوبیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

1- طاقت وقوت (Power): دنیا کے تمام مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ ریاست کی بقا کے لیے طاقت اور قوت کی ضرورت ہے اور یہ طاقت اور قوت اس وقت تک ریاست کے اندر پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ ریاست کے اندر ایک مضبوط مرکز نہ ہو۔ اس نظریے نے بادشاہ کی حیثیت کچھ ایسے انداز میں رعایا کے سامنے رکھی ہے کہ اس کی شخصیت ریاست کے اندر ایک مضبوط مرکز کی صورت اختیار کر گئی۔ جس سے ریاست میں استحکام پیدا ہوا جو کہ ریاست کی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

2- تنظیم (Organisation): اس کے ساتھ ہی بادشاہ کی مضبوط شخصیت نے معاشرے کے اندر تنظیمی پہلو کو بھی مضبوط اور مستحکم کر دیا ہے۔ لوگوں نے اس تنظیم سے متاثر ہو کر ایک خاص ڈھب سے زندگی گزارنا شروع کر دی۔ معاشرہ ایک بھیانک شکل اختیار کر گیا تھا۔ پھر یہ سلیقے اور قرینے کے ساتھ نشوونما پانے لگا۔ جس سے، بنی نوع انسان کو کافی فائدہ ہوا اور معاشرے کی ترقی کی راہیں ایک دفعہ پھر صاف ہو گئیں۔

3- تعمیل احکام (Orders Compliance): اس نظریے سے لوگوں میں حکم کی تعمیل کا جذبہ بڑی شدت سے پیدا ہوا۔ لوگوں کو احکام چلانے کی بجائے احکام ماننے کی تربیت جتنی اس نظریے پر عمل پیرا ہونے سے ہوئی وہ سب پر عیاں ہے۔ اس سے لوگ حکم ماننے کی خوبی کے مالک ہو گئے جو معاشرے کے لیے نہایت ضروری تھی کیونکہ جو حکم ماننا نہیں جانتے وہ حکم چلانے کی صلاحیت کے مالک بھی نہیں بن سکتے۔ یہاں پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بادشاہی طرز حکومت سے حاصل شدہ تربیت سے افراد اس قابل ہوئے کہ وہ حکم چلا بھی سکیں۔ آج جمہوریت کے دور میں یہ تربیت کام آ رہی ہے۔ اگر جمہوریت سے پہلے بادشاہی طرز حکومت مقبول نہ ہوتی تو لوگ نہ حکم ماننے سے آگاہ ہوتے اور نہ حکم چلانے کے قابل ہوتے اور یہ جمہوریت کا دور شاید نوع انسان کے لیے اتنا فائدہ مند ثابت نہ ہوتا کہ جتنا آج ہو رہا ہے۔

4- خوف خدا (Fear of God): اس نظریے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ بادشاہوں کے دلوں میں خوف خدا کے جذبات پیدا ہوئے، کیونکہ وہ نظریاتی طور پر سمجھتے تھے کہ واقعی ہم ہر عمل کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے اور اگر ہم نے غلط احکامات جاری کر کے رعایا پروری کا ثبوت نہ دیا تو خدا کے حضور سزا کے مستحق قرار دیئے جائیں گے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ بادشاہ بلکہ عوام کے ذہنوں میں خوف خدا کا تصور پیدا ہوا اور وہ اپنے ان ذاتی افعال میں جن کے ساتھ ریاست اور بادشاہ کا کوئی تعلق نہ ہوتا تھا، زیادہ محتاط ہو گئے اور خدا سے خوف کھانے لگے۔ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ وہ بادشاہ کے غلط احکامات کی بھی پیروی کرتے تھے کہ کہیں ہم ان احکامات کو ٹھکرا کر خدا کے عذاب کا نشانہ بن جائیں۔

سوال: نظریہ معاہدہ عمرانی پر بحث کیجئے۔ (لاہور بورڈ 2013ء، 2014ء، فیصل آباد 2013ء)

جواب : نظریہ معاہدہ عمرانی (Social Contract Theory): ریاست کی ابتدا کے بارے میں یہ قدیم نظریہ ہے۔ اس کے مشہور پیش کار ہابز، لاک اور روسو ہیں۔ ذیل میں ہم ایک گوشوارہ کی صورت میں ان تینوں مفکرین کے خیالات اور اختلافات کا جائزہ لیں گے:

تھامس ہابز: تھامس ہابز 1588ء میں انگلستان میں پیدا ہوئے۔ ہابز کی مشہور کتاب Leviathan تھی۔ انگلستان میں خانہ جنگی کا دور تھا۔ بادشاہ اور پارلیمنٹ کی افواج حالت جنگ میں تھیں۔ ہابز نے قلم کے ذریعے اپنی تحریروں سے بادشاہ کو مضبوط بنایا جس کے باعث بادشاہ کو حق بجانب قرار دیا۔

1-ہابز (Hobbes):

-1 ہابز اپنے نظریات کی وجہ سے مطلق العنان بادشاہت کے حق میں ہے۔
-2 ہابز کے ہاں ہمیں حکومت اور ریاست کے درمیان کوئی فرق نہیں ملتا۔
-3 ہابز کے ہاں ہمیں صرف قانونی مقتدر اعلیٰ کا تصور ملتا ہے اور یہی سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔
-4 ہابز کا فطرتی دور بہت تاریک، گھناؤنا اور وحشی ہے۔
-5 ہابز کے نزدیک افراد کا آپس میں معاہدہ ہوا کہ جس کے تحت ہر ایک نے اپنے پورے اختیارات اور حقوق ایک آدمی یا ایک جماعت کے سپرد کر دیئے۔
-6 ہابز کے نزدیک مطلق العنان بادشاہ اس معاہدے میں بطور ایک پارٹی یا ایک فریق کے شریک نہ تھا، بلکہ افراد کے آپس میں ہونے والے ایک معاہدے کا نتیجہ تھا۔
-7 ہابز کے نزدیک بادشاہ چونکہ معاہدے میں بطور پارٹی شریک نہیں تھا، اس لئے وہ کسی شرط کا پابند نہیں ہے۔ عوام اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے پابند ہیں اور وہ خود کسی کے حکم کے تابع اور ماتحت نہیں۔
-8 ہابز کے ہاں اقتدار اعلیٰ کی طاقت غیر منقسم پذیر ہے، کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ ریاست میں کوئی ایسی طاقت موجود نہیں ہونی چاہئے جو حکمران کے احکام کی نافرمانی کر سکے۔
-9 ہابز کے نظریات اپنے دور کے سیاسی حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور اس نے بادشاہوں کی طرف داری کا یہ انداز خاص طور پر ان کی حمایت میں استعمال کرنے کی کوشش کی تاکہ بادشاہ کی مطلق العنانیت برقرار رہ سکے۔

2-لاک (Locke): جان لاک 1632ء میں انگلستان میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور تصنیف On Civil Government تھی۔

-1 لاک مطلق العنان بادشاہ کے حق میں نہیں ہے بلکہ وہ آئینی بادشاہت اور سیاسی اقتدار اعلیٰ کا حامی ہے۔ اس نے سیاسیات کو اپنے نظریہ بنیادی حقوق سے نوازا اور عوام کی منشا کو سربلند کیا اسی لیے اسے عوامی منشا کا مفکر (Philosopher of People's Consent) کہا گیا ہے۔
-2 لاک ریاست اور حکومت کا فرق واضح کرتا ہے۔
-3 لاک کے ہاں نہ صرف قانونی بلکہ سیاسی مقتدر اعلیٰ کا تصور بھی ملتا ہے۔ بادشاہ کو وہ صرف قانونی مقتدر اعلیٰ سمجھتا ہے۔
-4 لاک کا فطرتی دور ہابز کی نسبت ایک مہذب دور ہے جس میں صرف سیاسی تنظیم کی کمی ہے۔
-5 لاک کے نزدیک معاہدے دو دفعہ ہوئے پہلی دفعہ افراد کا آپس میں معاہدہ ہوا کہ جس میں کچھ اختیارات دوسرے لوگوں کو سونپ دیئے گئے جس سے ان کی آزادی اور زندگی کا تحفظ ہو سکے۔ پھر دوسرا معاہدہ افراد کا بادشاہ کے ساتھ ہوا جس میں لوگوں نے اس کو حکومت سپرد کی تاکہ وہ معاشرہ کو کنٹرول کر سکے۔
-6 لاک کے نزدیک بادشاہ ایک پارٹی اور فریق معاہدے میں شریک تھا۔

-7 لاک کے نزدیک چونکہ بادشاہ معاہدے میں بطور بادشاہ کے شریک تھا اس لئے وہ بعض شرائط کا پابند ہے اور عوام اس کو وہ شرائط پورا نہ کرنے کے الزام میں تخت سے اتار بھی سکتے ہیں۔

-8 لاک کے نزدیک بھی اقتدار اعلیٰ غیر منقسم پذیر ہے' لیکن وہ طاقت ریاست کے ہاتھ میں ہے نہ کہ کسی بادشاہ کے ہاتھ میں۔

-9 لاک بھی اسی دور کا مفکر ہے۔ لیکن ہابز کے برعکس اس کی ہمدردیاں عوام کی جانب مبذول ہوگئیں اور اس نے اس طرح سے بادشاہ اور پارلیمنٹ کی کشمکش میں پارلیمنٹ کا ساتھ دیا۔

3-روسو(Rousseau):

روسو(Rousseau) 1712ء میں فرانس میں پیدا ہوا۔ اس کی مشہور تصنیف Social Contract تھی۔ روسو نے اپنی تحریروں کے ذریعے انقلاب کی راہ ہموار کی۔ انقلاب فرانس 1789ء کی کامیابی میں روسو کی تحریروں کا بڑا عمل دخل رہا۔ روسو نے انسانی حقوق' آزادی اور مساوات کے لیے جدوجہد کی۔

-1 روسو کے نزدیک مطلق العنان بادشاہت کا نہ کوئی تصور ہے اور نہ ہی آئینی بادشاہت کا' بلکہ وہ سب کچھ معاشرے کو سمجھتا ہے اور معاشرے کو ہی ریاست کے اندر سب سے بڑی طاقت تصور کرتا ہے۔

-2 روسو بھی لاک کی طرح حکومت اور ریاست کے فرق کو بڑی شدت کے ساتھ واضح کرتا ہے۔

-3 روسو کے ہاں قانونی' سیاسی اور عمومی مقتدر اعلیٰ تینوں کا تصور ملتا ہے لیکن اس کے نزدیک عمومی مقتدر اعلیٰ اصل میں سب سے بڑی طاقت ہے۔

-4 روسو کا فطرتی دور ان دنوں کے فطرتی ادوار سے بڑھ کر اچھا دور ہے۔ روسو اس دور کو انسانوں کے لیے ایک جنت ارضی سے کم نہیں سمجھتا۔

-5 روسو کے ہاں معاہدہ فرد اور معاشرے کے درمیان ہوا جس میں فرد نے انفرادی طور پر سارے اختیارات اور حقوق اجتماعی طور پر سارے معاشرے کے سپرد کر دیئے۔ یعنی منشائے عوام کو فوقیت دے دی گئی اور ایک فرد کی انفرادی حیثیت ختم ہو کر رہ گئی۔

-6 روسو کے ہاں دو پارٹیاں فرد اور معاشرہ تھیں۔ روسو کے ہاں کسی قسم کی بادشاہت کا کوئی تصور نہیں۔ یہاں معاشرہ ہی مطلق العنان ہے۔

-7 روسو کے نظریات میں معاشرہ وہی حیثیت رکھتا ہے جو کہ ہابز کے نظریات میں بادشاہ۔ معاشرہ مطلق العنان ہے اور اس قسم کی شرط عائد نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ کسی کے ماتحت ہے۔ معاشرے کو وہ منشائے عوام (General Will) بھی کہتا ہے۔ گویا روسو کے نزدیک منشائے عوام ہی سب کچھ ہے۔

-8 روسو کے ہاں بھی اقتدار اعلیٰ کی طاقت غیر منقسم پذیر ہے۔ لیکن یہ طاقت خود معاشرے کے ہاتھ میں ہے جو منشائے عوام کے ذریعہ اس کا اظہار کرتا ہے۔

-9 ان دونوں مفکرین کے برعکس روسو کی دور اندیشانہ نظر آنے والے جمہوری دور پر مرکوز ہو کر رہ گئی اور یہی وجہ ہے کہ اس کے نظریات میں جمہوری خیالات جھلکتے ہیں۔ چنانچہ اس کی وفات کے کچھ عرصہ بعد فرانس میں عظیم انقلاب رونما ہوا۔

نظریہ معاہدہ عمرانی پر تنقید(Criticism on Social Contract Theory):

1- تخیلاتی نظریہ(Imaginary Theory): نظریہ معاہدہ عمرانی ایک تصوراتی اور تخیلاتی نظریہ ہے جس کی بنیاد قیاس آرائی اور خیال پر ہے۔ ایک ایسی چیز پر جس میں خیال اور قیاس کے علاوہ اور کچھ نہ ہو کس طرح سے اعتبار و اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اس سارے معاہدے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو عملی اور ٹھوس صورت میں پیش کیا جاسکتا ہو۔ بلکہ یہ نظریہ تخیلات کی دنیا میں ایک حسین و جمیل محل کی مثال ہے جس کو عملی صورت میں پیش کیا نہ جاسکتا ہو۔

2-غیر تاریخی(None-Historical): اس نظریہ پر دوسرا بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ معاہدہ جس پر اس سارے نظریے کا دارومدار ہے اس کا

ذکر تاریخ میں نہیں ملتا اور نہ ہی تاریخ اس دور کا کہیں ذکر کرتی ہے جو ان تینوں مفکرین کے پیش نظر رہا ہے۔ گویا تاریخ اس نظریے کے حق میں کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتی۔ چنانچہ تاریخی اعتبار سے ناقابل یقین ہے۔

3- غیر منطقی (Illogical): یہ ایک ایسا نظریہ ہے، جس کو ماننے سے عقل انکار کرتی ہے کیونکہ یہ نظریہ سراسر غیر منطقی ہے۔ اس نظریے میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو ایک ہی وقت میں سیاسی شعور سے بے بہرہ نظر آتے ہیں اور پھر اسی وقت ایک معاہدے کی ضرورت کو محسوس بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ اپنی کسمپرسی اور ناگفتہ بہ حالت کو دیکھ کر اسے تبدیل کرنے کا خیال ایک ایسے معاشرے کے اندر پیدا نہیں ہو سکتا جو کہ پوری طرح سیاسی شعور نہ رکھتا ہو اسی نظریے میں، ہم یہ چیز بھی دیکھتے ہیں کہ جس معاشرے کا تعارف مفکرین نے کرایا ہے وہ ایک ہی وقت میں وحشی، گھناؤنا اور قلیل بھی ہے۔ اور اس وقت اپنی حالت کو بہتر بنانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ یہ چیز غیر منطقی ہے۔ سیاسی شعور سے عاری معاشرہ اس قسم کے معاہدے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہی اس نظریہ پر تیسرا اعتراض ہے۔

4- غیر فطرتی (Un-natural): تین مفکرین میں سے دو مفکرین نے یہ کہا ہے کہ فطرتی دور میں افراد ایک دوسرے کے مساوی اور برابر تھے۔ لوگ ایسی زندگی بسر کر رہے تھے کہ جس میں ایک دوسرے کے درمیان کسی قسم کا کوئی ایسا اختلاف نہیں تھا جس سے عدم مساوات کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ یہ چیز سراسر غیر فطرتی ہے۔ کیونکہ فطرتی طور پر لوگ اپنی قابلیت، صلاحیت اور جبلت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے اندر ہر ایک انسان کا منصب اور رتبہ کے اعتبار سے دوسرے کے برابر ہونا غیر فطرتی امر ہے۔ افراد کا معاشرے میں رتبے اور منصب کے اعتبار سے غیر مساوی ہونا مساوی ہونے کی نسبت زیادہ فطرتی ہے۔

5- خطرناک نظریہ (Dangerous Theory): یہ نظریہ اس لحاظ سے نہایت خطرناک ہے کہ اس نظریے کے تحت طاقت اور اختیار کی باگ ڈور عوام کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے اور اس طرح ریاست اور حکومت ہابز کے نظریات کے بالکل برعکس عوام کے سامنے ایک مجبور محض بن کر رہ جاتی ہے۔ جس سے ریاست کے اندر طوائف الملوکی اور لاقانونیت پھیلنے کا اندیشہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ عملی لحاظ سے یہ نظریہ ایک خطرناک نظریہ ہے کہ جس میں عوام کی بھلائی کی بجائے ان کی برائی کے پہلو زیادہ ابھرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ اس نظریہ میں اگرچہ اتنے نقائص موجود ہیں کہ انیسویں صدی ہی میں اس کی اہمیت ختم ہو کر رہ گئی تھی تاہم اس نظریے کو ہم مکمل طور پر نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ریاست کی ابتدا کے سلسلے میں نظریاتی ارتقا میں اس نظریے کا اہم کردار ہے۔ دوسرا اس نظریے نے جدید جمہوریت کی ترقی کا راستہ کافی حد تک ہموار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرانسیسی مفکر روسو کے نظریات کے بعد رفتہ رفتہ بادشاہت بطور طرز حکومت غیر مقبول ہوگئی اور اس کی جگہ جمہوریت عوام میں روز بروز مقبول ہوتی جا رہی ہے۔ پھر ہابز کے نظریات سے تنظیم استحکام، حکومت اور قانون کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کے پہلو نکلتے ہیں۔ اگرچہ ہابز کے نظریات اس لحاظ سے قابل ستائش نہیں ہیں کہ وہ عوام کے پاس کوئی اختیار نہیں رہنے دیتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کا نظریہ بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے کہ اس کے نظریات میں تنظیم استحکام اور قانون کے لیے اطاعت کے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ بہر حال نظریہ معاہدہ عمرانی ریاست کی تخلیق کے سلسلے میں بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نظریہ معاہدہ عمرانی ان نقائص کے باوجود علمی حلقوں میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔

سوال: نظریہ جبر و قوت یا تشدد پر روشنی ڈالیں۔

جواب: نظریہ جبر و قوت یا تشدد (The Force Theory): نظریہ جبر و تشدد کی رو سے ریاست کی بنیاد طاقت اور جبر پر ہے یعنی ریاست اس وقت وقوع پذیر ہوئی جب قوموں اور قبیلوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں جس قوم یا قبیلے کے پاس زیادہ طاقت تھی اس نے کمزور قبیلوں کو مطیع کر کے ان پر تسلط جما لیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ریاست طاقتوروں کی طرف سے کمزور لوگوں پر قبضہ کا نتیجہ ہے۔ گویا اس نظریے کے مطابق سیاسی تسلط اور برتری کا راز قوت و جبر میں پوشیدہ ہے۔ اس نظریے کو پیش کرنے والے مفکرین کی نظر میں یہ قانون قدرت ہے کہ طاقت ور افراد ہمیشہ سے کمزور افراد کو مطیع اور زیر کرتے چلے آئے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سے بڑھ کر کمزور قبیلے اور کمزور قومیں بھی ہمیشہ سے طاقتور قبائل اور طاقتور قوموں کی غلامی میں رہی ہیں۔ غرضیکہ یہ قانون فطرت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ اسی فطرتی اصول کے تحت ابتدا میں

طاقتور افراد نے کمزور افراد کو مطیع کر کے ایک قبیلے کی صورت اختیار کی۔ جب یہ قبیلہ زیادہ مستحکم ہوا تو اس نے دوسرے کمزور قبائل کو مطیع کر کے اپنے علاقے اور حکومت کو زیادہ وسیع کر لیا۔ رفتہ رفتہ بہت سے قبائل جب اس طرح سے اکٹھے ہوتے گئے تو بعد میں ایک قوم کی صورت اختیار کر گئے اور اس قوم نے دنیا کی کمزور قوتوں کو مطیع اور زیر کر کے بہت بڑی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ گویا یہ سب کچھ صرف طاقت اور جبر و قوت کے بل بوتے پر ہوتا گیا اور بالآخر یہ سلسلہ رفتہ رفتہ ایک ریاست کی صورت اختیار کر گیا۔ اس نظریے کی تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ آج بھی ریاست اور مملکت کی بقا اور ترقی کے لیے طاقت کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ کمزور اور ناتواں ریاستوں اور قوموں کے لیے آج بھی خطرہ لاحق ہے کہ کہیں طاقتور قومیں ان پر قبضہ نہ کر لیں۔ نہ صرف بیرونی طور پر ایک ریاست کو زندہ رہنے اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے طاقت کی ضرورت ہے بلکہ اندرونی طور پر بھی یہ امر ضروری ہے کہ ریاست اتنی مضبوط اور مستحکم ہو کہ شر پسند عناصر کو طاقت کے ذریعے کچل کر معاشرے کے اندر امن و سکون کو قائم رکھ سکے۔ چنانچہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جبر و قوت سے ہی ریاست کے وجود کو قائم رکھا جا سکتا ہے اور طاقت کے ذریعے ہی ریاست قائم ہوئی۔ جنکس (Jenks) اپنے خیالات کو یوں بیان کرتا ہے:

> ''تاریخ کی روشنی میں یہ بات بڑی آسانی سے ثابت کی جا سکتی ہے کہ موجودہ زمانے کی تمام سیاسی تنظیمیں یعنی ریاستیں کامیاب جنگ و جدل کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ فن حرب میں بھی ترقی ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ فن انہی لوگوں کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا جو اس میدان میں خاص تجربہ رکھتے ہیں۔''

نظریہ جبر پر تنقید (Criticism on Force Theory):

1- کمزور اخلاقی پہلو (Week Ethical Aspect): نظریہ جبر میں اخلاقی پہلو بہت کمزور نظر آتا ہے۔ اس نظریے کی بنیاد ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' پر ہے۔ اخلاقی لحاظ سے یہ اصول اس قابل ہرگز نہیں ہے کہ اس کو مان لیا جائے۔ بلکہ معاشرتی زندگی میں انسانی کردار و اخلاق کی بنیاد حق و صداقت پر ہونی چاہیے۔ اگر ہر کام طاقت کے بل بوتے پر کیا جائے تو نتائج کے اعتبار سے اس کے فوائد سے زیادہ نقصانات کا اندیشہ ہوتا ہے۔

2- غیر جمہوری (Undemocratic): یہ نظریہ اس لحاظ سے بھی قابل اعتراض ہے کہ اس میں موجودہ دور کے لیے کوئی کشش نہیں ہے۔ بلکہ یہ نظریہ جمہوری اصولوں کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں پر طاقت کی پرستش ہو وہاں پر انصاف' آزادی' مساوات' بھائی چارہ اور صلح و آشتی جیسے سماجی اصول کبھی نہیں پنپ سکتے۔ آج کل کی زندگی میں یہی اصول ہیں جن پر بین الاقوامی طور پر تمام دنیا کی ریاستیں ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات استوار کرتی ہیں۔ اندرونی طور پر بھی ہماری معاشرتی زندگی کا دارومدار انہی اصولوں پر ہے۔

3- طاقت کی بجائے رضامندی (Consent Instead of Power): ایک مشہور جدید انگریز مفکر جس کا نام ٹی۔ ایچ گرین ہے' اس نظریے کی سخت مخالفت کرتا ہے کیونکہ ٹی۔ ایچ گرین کی تحقیق کے مطابق جدید ریاستوں کا وجود لوگوں کی رضامندی پر ہے نہ کہ طاقت پر۔ طاقت کے بل بوتے پر قائم ہونے والی کوئی چیز بھی دیرپا نہیں ہے۔ جو کام رضا و رغبت اور باہمی اتحاد سے ہو سکتا ہے وہ طاقت کے بل بوتے پر سر انجام نہیں دیا جا سکتا۔ طاقت ریاست کی صرف ایک خاصیت ہے' بنیاد ہرگز نہیں ہے۔ ٹی۔ ایچ گرین کے نظریے کے مطابق ارادہ اور رضامندی ریاست کی بنیاد ہے۔

4- فلاحی ریاست کا مقصد (Objective of Welfare State): آج کل ایک فلاحی ریاست کا تصور عام ہے جس کے مطابق ریاست کا مقصد انسانوں کی فلاح و بہبود ہے۔ ہر شخص کو ریاست کے اندر اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے مختلف قسم کی مراعات حاصل ہونی چاہئیں۔ ریاست کے ذمے اپنے باشندوں کا معیار زندگی بلند کرنے کا کام بھی ہے اور یہ سب کچھ ایسی ریاست میں نہیں ہو سکتا جس کی بنیاد طاقت پر ہو۔ چونکہ موجودہ دور کی ریاستوں میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے' اس لئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ریاست کی بنیاد محض طاقت پر ہرگز نہیں ہے۔

5- قوت اور طاقت عوام کے پاس ہے (Power in Peoples Hand): اس لحاظ سے بھی اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اصل طاقت عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے نہ کہ حکمران کے پاس۔ ابتدا سے لے کر آج تک عوام کی بغاوت کے خوف سے بڑے بڑے حکمرانوں پر خوف طاری رہا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جبر و قوت اور طاقت جس کی طرف اس نظریے میں اشارہ کیا گیا ہے' تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ

ساتھ رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی جاتی ہے اور آج اصل طاقت قوم کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گئی ہے۔

سوال: **نظریہ مادرسری اور نظریہ پدرسری کے اہم نکات تحریر کریں۔ نیز ان دونوں نظریات پر تنقیدی نوٹ لکھیں۔**

جواب: **نظریہ مادرسری(The Matriarchal Theory)**: اس نظریے کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

1- ریاست خاندان کی ترقی یافتہ شکل ہے خاندان میں حکمرانی عورت کے ہاتھ میں تھی جس کی اطاعت و فرمانبرداری خاندان کے افراد برضا و رغبت کیا کرتے تھے۔

2- انسانی نسل کا سلسلہ باپ کی بجائے ماں کے نام سے چلتا تھا اور ماں ہی خاندان اور قبیلے کے اخراجات کی ذمہ دار ہوتی تھی۔

3- مرد معاشی طور پر عورتوں کی نسبت اتنے پست تھے کہ وہ بہت سے مل کر ایک ہی وقت میں ایک عورت سے شادی کر کے اپنے معاشی تفکرات سے نجات حاصل کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

4- قرابت داری کا سلسلہ مستقل شادی کی بجائے عارضی شادی پر قائم تھا۔

5- ریاست ایسے افراد کا مجموعہ تھی جو ایک ہی قبیلے کی اولاد تھی جس کی جد امجد مرد کی بجائے عورت تھی۔

6- کنبے کی سربراہ عورت تھی جو کہ وسیع اختیارات کی مالکہ تھی۔

7- جائیداد و اختیارات کی مالک لڑکیاں ہوا کرتی تھیں جو کہ ماں کے بعد اس کی جائیداد کو موروثی طور پر حاصل کر لیا کرتی تھیں۔

نظریہ پدرسری(The Patriarchal Theory):

1- ریاست خاندان کی ترقی یافتہ شکل کا نام ہے۔ خاندان میں حکمرانی مرد کے ہاتھ میں تھی اور مرد کی اطاعت و فرمانبرداری خاندان کے دوسرے افراد نہایت خوشی سے کیا کرتے تھے۔

2- انسانی نسل کا سلسلہ باپ کے نام سے چلتا اور باپ ہی ہر قسم کے اخراجات کا کفیل ہوتا تھا۔

3- مرد معاشی طور پر اتنے مضبوط تھے کہ وہ ایک ہی وقت میں کئی عورتوں سے شادی کر کے ان کے اخراجات کو برداشت کر سکتے تھے۔

4- قرابت داری کا سلسلہ مستقل شادی پر قائم تھا۔

5- ریاست ایسے افراد کا مجموعہ تھی جو ایک ہی قبیلے کے جد امجد کی اولاد تھے جو کہ مرد ہوا کرتا تھا۔

6- کنبے کا سربراہ باپ ہوا کرتا تھا جو کہ بڑے وسیع اختیارات کا مالک تھا۔

7- جائیداد اور اختیارات کے مالک لڑکے ہوا کرتے تھے جو کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد کے موروثی طور پر مالک بن جاتے تھے۔

نظریہ مادرسری اور پدرسری پر تنقید(Criticism on Matriarchal & Patriarchal Theories):

1- مفکرین میں اختلاف رائے(Difference of Opinion in Thinkers): اس نظریے کے خلاف سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس نظریے کو پیش کرنے والے خود دو مختلف مکاتیب فکر میں تقسیم ہو گئے۔ ان کا نظریہ شک و شبہ کا شکار ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس نظریہ پر بڑی شدت سے اعتراض کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

2- تاریخی لحاظ سے ناقص(Historical Defect): اگر تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو ہر دو نظریات میں اعتراض کی شدید گنجائش موجود ہے۔ جیسا کہ نظریہ پدرسری والے خاندان کا افضل ترین فرد مرد کو کہتے ہیں جبکہ مادرسری نظریے کے حامی عورت کو خاندان کا حاکم اعلیٰ تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ تاریخی لحاظ سے اگر حالات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت صاف طور پر ابھرتی ہے کہ ایسے نظریات اپنے اندر کوئی استحکام نہیں رکھتے۔ بعض مقامات اور بعض ادوار پر افضلیت عورت کو حاصل تھی۔ اسی طرح بعض مقامات اور بعض ادوار میں یہی اولیت مرد کو حاصل تھی۔ اس چیز کو ہم قطعی اور حتمی صورت میں پیش نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ مفکرین نے اس کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ دونوں نظریات میں کوئی بھی نظریہ عالمگیر حیثیت کا حامل نہیں۔

3- ریاست کی نوعیت غیر واضح (Unclear Nature of State): اس نظریہ پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ نظریہ ریاست کی ابتدا کے متعلق روشنی ڈالنے سے قاصر ہے۔ جو کچھ اس نظریے میں پیش کیا گیا ہے اس سے صرف یہ بات ہی کھل کر سامنے آتی ہے کہ قبیلے اور برادری کی ابتدا کیسے اور کیونکر ہوئی' ایک ریاست کی ابتدا واضح نہیں ہوتی۔

4- ریاست کی ابتدا صرف رشتہ داری سے نہیں ہوتی:

(Origon of State not only by Relationship)

اس نظریہ میں ریاست کی ابتدا کے لئے صرف قرابت داری اور رشتہ داری کو ہی کافی سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ یہ سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ جدید تحقیق کی روشنی میں جہاں ریاست کی تشکیل کے لئے رشتہ داری اور قرابت داری ایک اہم عنصر ہے' وہاں اس کے ساتھ ساتھ چند دوسرے عوام بھی ہیں۔ مثلاً مذہب' جبر و طاقت' جادو' سیاسی شعور وغیرہ۔ ان تمام عناصر کو اس نظریے میں یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

5- خاندان اور ریاست میں فرق نہیں کیا گیا (No Difference Between State and Family): اس نظریے کے مطابق ایک نقص یہ بھی ہے کہ خاندان اور ریاست کو ایک ہی انداز سے پیش کیا گیا۔ جس کی وجہ سے ہر دو کے درمیان جو فرق ہے وہ ختم ہو کر رہ گیا۔ خاندان کے اندر اس کا سربراہ اپنی اولاد کو بنیادی طور پر قدرتی اختیارات کی وجہ سے کنٹرول کرتا ہے اور ہر فرد خاندان کی روایات اور اپنے خاندان کے سب سے معمر فرد کے احکامات کو برضا و رغبت ماننے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ گویا خاندان کے افراد میں رضا کارانہ باہمی تعاون کے جذبات پائے جاتے ہیں اور وہ بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کے اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان میں طاقت اور جبر کا پہلو نہ ہونے کے برابر ہے جب کہ دوسری طرف ریاست کے اندر طاقت اور جبر کا پہلو بنیادی ہوتا ہے۔ ریاست ایک فرد کو سزائے موت کا حکم دے سکتی ہے جب کہ ایک خاندان میں ایک فرد اپنی اولاد کو سزائے موت دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ خاندان اور ریاست کے درمیان یہی وہ فرق ہے جس پر اس نظریے کے تحت کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی۔

6- نظریہ ارتقائے ریاست یا تاریخی نظریہ (Historical or Evolutionary Theory of State): اس نظریہ کے مطابق ریاست نہ تو خدا کی تخلیق ہے اور نہ کسی معاہدہ کا نتیجہ' نہ ہی یہ جبر و تشدد کی بنیاد پر قائم ہوئی اور نہ ہی اس کو نظریہ پدرسری یا مادرسری کے مطابق قائم کیا گیا' بلکہ اس نظریے کے مطابق ریاست ایک قدرتی ارتقا کا نتیجہ ہے۔ ریاست قدرتی طور پر چند عوامل کی وجہ سے آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہوئی موجودہ صورت اختیار کر گئی جس کے لیے اس کو کئی صدیاں صرف کرنی پڑیں۔

برجیس کے مطابق ریاست تاریخ کی پیداوار ہے یا ایک تاریخی عمل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست انسانی معاشرہ کی مستقلاً اور آہستہ آہستہ ترقی کا دوسرا نام ہے۔ اگرچہ موجودہ حکومت یا ریاست کی موجودہ صورت مختلف ارتقائی مراحل سے گزر کر اس معیار تک پہنچی ہے تاہم ان مختلف مرحلوں پر بعض چیزوں نے ریاست کے ارتقا اور ترقی میں مدد دی ہے۔

مندرجہ ذیل عناصر نے ریاست کے ارتقا پر گہرا اثر ڈالا ہے:

1- قرابت داری یا رشتے داری (Kinship): بنی نوع انسان نے تنظیم کا سبق سب سے پہلے خاندان سے لیا۔ حکم دینا اور حکم کی اطاعت و تعمیل کرنا ایک ایسا جذبہ ہے' جس پر موجودہ ریاستی اور سیاسی نظام یا حکومت قائم ہے اور یہ جذبہ افراد نے سب سے پہلے خاندان اور قبیلوں ہی سے سیکھا ہے۔ جیسا کہ ڈبلیو ولسن نے کہا ہے:

> ''دور رشتہ داروں میں خون کا ایک ہونا ایک ایسی حقیقت تھی جو افراد کو اپنے اعلیٰ وارفع بزرگ کا حکم ماننے کے لیے مجبور کرتی رہی۔ لوگ یہ سمجھ کر حکم کی تعمیل کرتے کہ حکم دینے والا اپنا ہی ایک بزرگ ہے جو کہ ہمارے اپنے ہی مفاد اور بہتری کے لیے حکم چلا رہا ہے۔''

اس کے علاوہ ایک ہونے کا تصور بھی ریاست کی بقا کے لیے موجودہ دور میں ایک اہم چیز گنی جاتی ہے اور یہ تصور بھی حکم کی تعمیل کے تصور کی طرح ابتدا میں قبیلوں اور خاندانوں میں ہی پرورش پاتا رہا۔ لوگ رشتہ داری اور قرابت داری کے بندھنوں میں اس قدر جکڑے ہوئے تھے کہ اپنے آپ کو دوسرے کے مقابلے میں ایک علیحدہ اکائی سمجھنے لگ گئے۔ یہیں سے قومی یک جہتی اور یکسانیت کا شعور افراد میں پیدا ہوا جس کے بغیر آج بھی

www.downloadclassnotes.com

ریاست کا باقی رہ جانا ناممکن خیال کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ جب لوگوں نے ایک ہی خاندان اور قبیلے میں ایک جگہ رہنا شروع کیا اور اپنی معاشرتی اور سماجی زندگی کی بنیاد رکھی تو ان کی مشترک مشکلوں اور مشترک راحتوں نے ان کے اندر ہمدردی' محبت' شفقت' پیار' تعاون واتحاد کے جذبات پیدا کر دیئے۔جنہوں نے ریاست کی تشکیل کے لیے اہم کردار ادا کیا۔غرضیکہ انسانی کردار کے اسی قسم کے بیسیوں مختلف پہلو گنوائے جاسکتے ہیں جو ریاست کی تشکیل کا باعث بنے۔رشتہ دار بننے کا احساس ان میں ایسے تمام جو ہر وقتاً فوقتاً پیدا کرتا رہا جو بعد میں ریاست کے قیام کے لیے مفید ثابت ہوئے۔ چنانچہ ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ قرابت داری نے ریاست کی تشکیل میں کافی مدد دی ہے۔

2-مذہب (Religion): انسان کو ابتدائے آفرینش ہی سے مذہب کے ساتھ عقیدت ومحبت ہے۔عقیدت ومحبت کا یہ نشہ ایسا ہے کہ جس کو کوئی ترشی نہیں اتار سکتی۔انسان اپنی جداگانہ شخصیت جس کی تکمیل کے لیے وہ زندگی بھر مصروف رہتا ہے اور ہر قسم کے حربے استعمال کر کے اپنی شخصیت کو بہتر بنانے کے لیے ذرا بھی ہچکچاتا نہیں۔لیکن جب مذہب کا سوال پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی شخصیت کو مذہب سے جدا تصور نہیں کرتا بلکہ اپنی شخصیت کو مذہب کے اندر مدغم کر کے مذہب کا اثر قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔خصوصاً قدیم دور میں مذہب کے ساتھ افراد کا یہ تعلق اتنا پختہ اور مضبوط تھا کہ وہ مذہب کی بقا اور بہتری کے لیے اپنے قرابت داروں تک کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے اور بعض اوقات مذہب کے نام پر منتشر انسانی معاشرہ اتنی طاقت اور شدت کے ساتھ متحد ہوا کہ قرابت داری کے نام پر متحد ہونا بھی اس کے مقابلے میں ماند پڑ گیا۔مختلف النسل اور مختلف الوطن لوگ جب بھی مذہب کے نام پر اکٹھے ہوئے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکی۔مذہب کے نام پر یہ مضبوط اور کامل اتحاد دنیا کے اندر بڑی بڑی ریاستوں کے قائم ہونے کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور مذہب کے ساتھ یہ عقیدت اور محبت ایک ایسا ان مٹ جذبہ تھا جس کی بنیادوں پر مذہبی پیشواؤں نے ریاست کی بنیاد ڈالی۔مذہبی پیشواؤں نے ان کو مذہبی امور اور مذہبی تعلیم کا ذوق دیا۔ان میں اجتماعی شعور اور فکر پیدا کیا جس سے لوگوں کی سیاسی سوجھ بوجھ میں شدید اضافہ ہوا اور لوگ ایک ہی مذہب کے ماننے کی بناء پر ایک دوسرے سے باہم شیر وشکر ہو گئے۔یہی اتحاد و اتفاق ان کے بالآخر ایک بہترین شہری بننے کے لئے کام آیا' جس سے ریاست کو استحکام وترقی نصیب ہوئی۔

3-جنگ وجدل یا جبر وتشدد (Force and War): قدیم ترین دور میں جنگ وجدل کے مستقل خطرے نے مختلف قبائل کے اندر ایک سیاسی رہنما نامزد کرنے کا جذبہ پیدا کیا تھا کہ وہ جنگی کارروائیوں کے اندر پوری برادری اور قبیلے کی رہنمائی کر کے ان کو جنگ کے دوران میں منظم کر لے۔اسی مقصد نے بعد میں اسے ایک حاکم مطلق بنا دیا۔جس کے بعد اس سردار نے پورے معاشرے کو ہر لحاظ سے کنٹرول کرنا شروع کر دیا۔لوگ اس کی اطاعت اس لیے کرتے تھے کہ وہ آئندہ خطرات میں انہیں نکال کر لے جائے گا اور اس لیے بھی کہ وہ ایک لائق اور قابل رہنما کے گرد جمع نہ ہوں گے تو نظم وضبط قائم نہ ہوگا تو دشمن کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔اس طرح لوگوں میں منظم ہونے اور ایک فرد کی اطاعت اور تابعداری کا جذبہ پیدا ہوا جو کہ ابھی تک لوگوں میں موجود ہے۔یہ چیز اتنی اہم حیثیت اختیار کر چکی ہے کہ اس کے بغیر کوئی ریاست اس دور میں اپنے آپ کو ترقی کی راہ سے ہمکنار کرنا تو درکنار اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔

دوسری اہم چیز جبر وتشدد ہے۔جب کسی طاقتور قبیلے کے سردار نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کی امداد سے کسی کمزور ناتواں قبیلے کو اپنے علاقے میں مدغم کر کے ایک وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا تو ریاست وجود میں آئی۔رفتہ رفتہ وہ تمام لوگ کسی طاقتور سردار کے مطیع ہوئے۔اس طرح ایک سردار کے ماتحت تمام افراد کے لیے اپنے آپ کو ایک مرکز اور ایک طاقت کے تحت جمع کرنا زیادہ ضروری ہو گیا۔اگرچہ یہ تمام لوگ ایک دوسرے کے رشتہ دار نہ تھے۔

اسی طرح جنگ وجدل اور جبر وتشدد کے خوف نے ریاست کی تشکیل کے راستے ہموار کر دیئے اور ریاست کی تکمیل بڑی تیزی کے ساتھ ہوتی گئی۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی طاقت کا سکہ چلتا ہے اور طاقت والے ہی کو مانا جاتا ہے۔ایک طاقتور حکومت کے مفتوح ہونے کی بجائے اس کے فاتح ہونے کا امکان آج بھی زیادہ ہے۔آج کے متمدن ومہذب دور کے اندر ہر ریاست اگر اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنی طاقت یعنی دفاع پر صرف کرتے ہوئے نہیں ہچکچاتی تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ آج بھی ریاست کے قیام اور اس کے استحکام کے لیے طاقت ایک ضروری عنصر خیال کیا جاتا ہے۔

4-جادو (Magic): زمانہ قدیم میں جب کہ لوگ اچھی طرح مذہب سے مانوس نہیں ہوئے تھے اور مذہب نے معاشرے کے اندر اپنی حیثیت نہیں منوائی تھی' لوگ مکمل طور پر جادوگروں کے ہاتھوں میں کھیلتے تھے۔کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے جادو کی طاقت سے اس قسم کے عملیات کا مظاہرہ

کرتے تھے، جس سے لوگ خوفزدہ ہو کر جادوگر کے مطیع ہو جاتے تھے۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ جب کسی ایسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے جو عام فطرت سے ہٹ کر ہوتی ہے اور ظاہری طور پر اس کی عقل اس کو نہیں مانتی تو وہ اس چیز سے بھی خوفزدہ ہو جاتا ہے اور جس کے طفیل وہ عمل سرزد ہوتا ہے اس سے بھی خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ یہی انسان کی فطری کمزوری تھی جس نے انسان کو جادوگروں کا مطیع اور فرمانبردار بنادیا اور جادوگروں کو جادو کے بل بوتے پر اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ جادوگروں سے سرداراور سردار سے حاکم مطلق بن جائیں۔ زمانہ ایک مدت سے جادو اور جادوگروں سے متاثر رہا اور جادوگروں نے اپنی من مانی کارروائیوں سے افراد کو بدھو بنائے رکھا اور جادو کے بل بوتے پر ان پر حکومت کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست کی تشکیل میں جادو کا اہم حصہ ہے جسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ الگ بات ہے کہ مذہب نے آ کر جادو کو ختم کر دیا اور مذہبی راہنماؤں نے اپنی خدائی طاقت کے بل بوتے پر جادوگروں کو اپنا مطیع کر کے بنی نوع انسان کو جادو کے اثر سے نکال کر مذہب پرستی پر مجبور کر دیا۔ لیکن اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ جادو نے بھی ریاست کی تشکیل کے لئے اہم کردار ادا کیا ہے۔

5- سیاسی شعور (Political Consciousness): سیاسی شعور سے مراد انسان کی وہ طاقت ہے جس کے بل بوتے پر انسان سیاست کے اتار چڑھاؤ سے واقف ہوتا ہے اور نہ صرف سیاست کی پیچیدگیوں کو جانتا ہے، بلکہ ان پیچیدگیوں کو حل کرنے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے۔ چنانچہ افراد کا سیاست کے نشیب و فراز کو جاننا سیاسی شعور کہلاتا ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سیاسی شعور کہاں تک ریاست کی تشکیل کا باعث بنا اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انسان نے جوں جوں اپنے سیاسی شعور کو تقویت دی، انسان کی یہ اہلیت توں توں جوان ہوتی گئی۔ سیاسی تنظیم اور تدبیر کی راہیں انسان پر کھلتی چلی گئیں اور انسان نے سیاسی تنظیم یعنی حکومت کے اندر نئی نئی تبدیلیاں کر کے اس کو جدید تقاضوں کے مطابق بنالیا۔ چنانچہ یہ جدید ترین سیاسی فکر اور سیاسی تدبر انسانی سیاسی شعور کے ارتقا کا ایک نتیجہ ہے۔

سوال: فلاحی ریاست کی تعریف کریں نیز اس کی خصوصیات کو زیر بحث لائیں۔

جواب: مفہوم و معنی (Meaning)

جدید دور میں ریاست کو ایک فلاحی ادارہ تصور کیا جاتا ہے جو عوام کی فلاح و بہبود کے لیے وجود میں آتا ہے۔ فلاحی ریاست کے نظریہ کے حامیوں کا خیال ہے کہ ریاست نہ صرف ملک کے دفاع اور امن و امان کے فرائض انجام دیتی ہے بلکہ یہ افراد کی جسمانی، معاشی، معاشرتی، روحانی اور ثقافتی بہبود کے لیے ہر قسم کی سرگرمیاں اختیار کرتی ہے۔ یہ شہری کو ایسی سہولتیں بہم پہنچاتی ہے جن سے وہ اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کر سکتا ہے اور اپنی شخصیت کو فروغ دے سکتا ہے۔ یہ سہولتیں افراد کی بہبود اور ترقی کے لیے لازمی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایسی ریاست معاشرے سے بے روزگاری، غربت، جہالت اور بیماری کا قلع قمع کرتی ہے تاکہ شہری پرسکون اور باعزت زندگی گزار سکیں۔

تعریف (Definition): مختلف مفکرین نے فلاحی ریاست کی اپنے اپنے انداز میں مختلف تعریفیں کی ہیں۔ ذیل میں ہم چند مشہور اور اہم تعریفوں کو درج کرتے ہیں:

1- لاسکی (Laski): ''فلاحی ریاست ایک ایسی تنظیم ہے جو وسیع پیمانے پر عوام کی معاشی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنتی ہے۔''

2- ایلیٹ (Elliot): ''فلاحی ریاست ایسی معاشرتی خدمات کے لیے وجود میں آتی ہے جن کا تعلق بیرونی حملہ سے تحفظ سے ہوتا ہے اور نہ قیام امن سے بلکہ یہ اجتماعی طور پر قوم کے اجتماعی مفاد سے متعلق ہوتی ہیں۔''

3- ہومین (Homan): ''فلاحی ریاست اس وقت شہری کو امداد فراہم کرتی ہے، جب اسے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔''

فلاحی ریاست کا نظریہ (Concept of Welfare State): یہ ایک معتدل ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس میں نظریہ انفرادیت اور نظریہ اشتراکیت دونوں کے اچھے اصولوں کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ فرد کی آزادی اور ریاست کے اختیارات کے مابین توازن قائم کرتا ہے۔ اس میں

ریاست فرد کی فلاح و بہبود کے تمام کام سرانجام دیتی ہے۔ آج کل تمام ترقی یافتہ ریاستوں میں اس نظریہ پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ترقی پذیر اور پسماندہ ریاستیں بھی فلاحی ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں۔

فلاحی ریاست کی خصوصیات و فرائض (Characteristics of Functions of Welfare State): فلاحی ریاست میں مندرجہ ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں:

1- عوام کی فلاح و بہبود (Welfare of People): فلاحی ریاست عوام کی فلاح و بہبود پر پوری توجہ دیتی ہے۔ یہ معاشرتی خدمت کا ادارہ ہوتی ہے' اس لئے یہ عوام پر حکمرانی کی بجائے ان کی خدمت کو اپنا شعار بناتی ہے۔ اس کے پیش نظر عوام کی اجتماعی بہبود اور ترقی ہوتی ہے۔

2- بلند معیار زندگی (High Standard of Living): فلاحی ریاست میں عوام کی معاشی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاکہ ان کا معیار زندگی بلند ہو اور وہ بہتر اور خوشحال زندگی گزار سکیں۔

3- ملک کی معاشی ترقی (Economic Development of Country): یہ ملک کی معاشی ترقی کے لیے تمام وسائل کو بروئے کار لاتی ہے تاکہ قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ ہو۔

4- معاشرتی خدمات (Social Services): فلاحی ریاست افراد کو تمام معاشرتی خدمات بہم پہنچاتی ہے۔ یہ افراد کو بے روزگاری' بیماری' جہالت اور سماجی برائیوں سے نجات دلانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ یہ تعلیم و تربیت اور صحت عامہ کے لیے بہتر سہولتیں فراہم کرتی ہے۔

5- ضروریات زندگی کی فراہمی (Provision of Basic Needs): فلاحی ریاست افراد کو ضروریات زندگی کی فراہمی آسان بناتی ہے۔ یہ عوام کے لیے خوراک' لباس اور رہائش کی بہتر سہولتیں اور دیگر بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی پر پوری توجہ دیتی ہے۔ یہ معذور اور بے سہارا افراد کی کفالت کا ذمہ لیتی ہے۔

6- تمام طبقوں کی خوشحالی (Prosperity of All Communities): فلاحی ریاست کے پیش نظر کسی مخصوص فرد' خاندان' برادری یا طبقہ کا مفاد نہیں ہوتا۔ یہ تمام عوام کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھتی ہے کیونکہ یہ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے قائم کی جاتی ہے۔ یہ طبقاتی نہیں بلکہ عوامی ریاست ہوتی ہے۔

7- حقوق کا تحفظ (Protection of Rights): فلاحی ریاست ایک جمہوری حکومت ہے۔ یہ شہریوں کے حقوق اور آزادی کا پورا تحفظ کرتی ہے۔ اگرچہ اسے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے وسیع اختیارات دیے جاتے ہیں' لیکن یہ جبر و استبداد سے گریز کرتی ہے۔

8- مکمل ریاست (Complete State): اس میں ریاست کا دائرہ عمل زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہوتا ہے۔ یہ عوام کی فلاح و بہبود کے پیش نظر زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں قانون سازی کرتی ہے' لیکن وہ یہ جبراً نہیں بلکہ عوام کی رضامندی سے کرتی ہے۔

9- منصوبہ بندی (Planning): فلاحی ریاست میں باقاعدہ معاشی اور معاشرتی منصوبہ بندی کی جاتی ہے تاکہ ریاست کے محدود وسائل کو بہتر طریقے سے استعمال کیا جائے۔

10- مخلوط معیشت (Mixed Economy): فلاحی ریاست میں کلیدی صنعتوں اور قدرتی وسائل کو قومی ملکیت میں لا کر انہیں افراد کی بہبود و ترقی کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے تاکہ دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں آئے اور امیر اور غریب کا فرق کم ہو۔ تاہم بقیہ صنعتیں اور کاروبار نجی ملکیت میں رہتے ہیں۔ اس طرح ملک کی معیشت قومی اور نجی ملکیت دونوں پر مشتمل ہوتی ہے' جسے مخلوط معیشت کہا جاتا ہے۔

11- کثیر اخراجات (Much Expenditure): فلاحی ریاست کا دائرہ کار بہت وسیع ہوتا ہے۔ اسے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے

کثیر اخراجات کرنے پڑتے ہیں۔حکومت ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ٹیکس عائد کرتی ہے اور بیرونی امداد اور قرضے حاصل کرتی ہے۔

سوال: فلاحی ریاست کے اسلامی تصور کی وضاحت کیجئے۔ یہ ریاست عوام کی بہبود کے سلسلہ میں کیا خدمات سرانجام دیتی ہے؟ (گوجرانوالہ بورڈ 2016ء)

جواب: فلاحی ریاست کا اسلامی تصور

(Islamic Concept of Welfare State)

اسلام میں ریاست کا تصور دراصل ایک فلاحی ریاست کا ہی تصور ہے۔اس نے انتظامیہ کو خادم قوم قرار دیا ہے۔اسلامی ریاست میں عوام کی کفالت کا جو فرض عائد ہوتا ہے' وہ ایک فلاحی ریاست کی خصوصیات ہے۔اس کے علاوہ اس کی مندرجہ دیگر ذمہ داریاں بھی اسے فلاحی ریاست کا درجہ دیتی ہیں:

1- کفالت عامہ کی ذمہ داری(Responsibility of Public Requisite): اسلامی ریاست پر عوام کی کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ وہ افراد کو بنیادی ضروریات فراہم کرنے کا اہتمام کرے تاکہ کوئی بھی ان سے محروم نہ رہے۔ان ضروریات میں خوراک' لباس اور رہائش بنیادی حیثیت رکھتی ہیں' لیکن ان کے علاوہ اور ضرورتیں بھی اب بنیادی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔مثلاً علاج' تعلیم وغیرہ۔عام حالات میں افراد اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی بہم پہنچائیں گے' لیکن اگر کوئی شخص معذوری یا کسی اور وجہ سے بنیادی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہو تو اسلامی ریاست اس بات کی ذمہ دار ہے کہ وہ ان وسائل حیات سے محروم نہ رہے جو ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے درکار ہیں' بلکہ ریاست کو ایسا انتظام کرنا پڑے گا کہ وہ آسانی اور بلا تاخیر اجتماعی خزانے (بیت المال) سے بقدر ضرورت مال حاصل کر سکے تاکہ اسلامی ریاست کا کوئی بھی بندہ بھوکا' پیاسا' ننگا' بے ٹھکانہ نہ ہو اور بیمار ہونے کی صورت میں بے علاج نہ رہے۔

خلافت راشدہ کا دور جو اسلامی حکومت کا اصل نمونہ تھا' اس قسم کے واقعات سے بھرا پڑا ہے کہ خلفا نے کس طرح عوام کی تکالیف کو اپنی تکلیف سمجھا ہے اور ان کے دکھ درد میں عملاً شریک ہوئے۔حضرت عمرؓ رات کو بھیس بدل کر مدینے کی گلیوں میں چکر لگاتے تھے تاکہ کوئی بھوکا اور پریشان نہ رہے۔

2- دولت کی منصفانہ تقسیم (Fair Distribution of Wealth): دولت کی غیر منصفانہ تقسیم سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہے۔یہ نظام سودی کاروبار اور اجارہ دارانہ کاروبار کی بنا پر قائم ہوا۔اسلام ان دونوں کے خلاف ہے اور بے جا استحصال کی اجازت نہیں دیتا۔یہ مزدور کو بھی منافع میں حصہ دار قرار دیتا ہے' کیونکہ اس میں مزدور کی محنت کو بھی دخل ہوتا ہے۔اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں محدود ہو جائے اور باقی افراد غربت اور محرومی کا شکار ہو جائیں۔اسلام نے نظام زکوٰۃ' وراثت کے قوانین اور سود کی حرمت سے اس کا سدباب کیا ہے۔اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ عدل قائم کرے اور سرمایہ دارانہ رجحان کو ختم کرے تاکہ دولت کسی ایک طبقہ میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔اسلام کا اصول یہ ہے کہ دولت سرمایہ داروں سے لو اور محتاجوں میں تقسیم کر دو۔

''اللہ نے مسلمانوں پر صدقہ فرض کیا ہے' جو ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے حاجت مندوں کو دیا جائے گا۔''

3- بے جا اسراف کی ممانعت(Prohibition of Spendthrift): اسراف سے مراد ہے دولت کو بے دریغ اور بے جا صرف کرنا۔اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ دولت کے خرچ پر بعض پابندیاں عائد کرے تاکہ معاشرتی برائیوں کا خاتمہ ہو۔اسلامی ریاست میں کوئی شخص اپنی دولت کسی ایسے کام پر خرچ نہیں کر سکتا جو دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہو' اجتماعی طور پر معاشرے کے لیے مضر ہو یا خود خرچ کرنے والے کے دین واخلاق کے لیے نقصان دہ ہو۔مثلاً کوئی شخص اپنی دولت کو فسق و فجور' شراب نوشی' قمار بازی' بدکاری اور کسی قسم کے ناجائز کاروبار میں نہیں لگا سکتا۔جب معاشرے میں لوگ نان شبینہ کے محتاج ہوں تو اسلام دولت مندوں کو عیش و عشرت کی اجازت نہیں دیتا۔اس ضمن میں اسلامی حکومت قانونی پابندیاں

عائد کرتی ہے۔اس کی مثالیں خلافت راشدہ میں موجود ہیں۔

4- غربت اور حاجت مندی کا خاتمہ (Eradication of Poverty and Indigence): اسلامی حکومت کا یہ بنیادی فرض ہے کہ وہ ملک میں نظام زکوٰۃ کا نفاذ عمل میں لائے تاکہ معاشرتی برائیوں کا قلع قمع کیا جاسکے۔اسلام کے مطابق ہر اس فرد پر، جس کے پاس ایک خاص مقدار (نصاب) کے مطابق مال جمع ہو جائے زکوٰۃ عائد کی جاتی ہے۔جس کی شرح اڑھائی فیصد سالانہ ہے۔اسی طرح تجارتی مال، زمین کی پیداوار اور مویشیوں پر بھی ایک خاص مقدار کے مطابق زکوٰۃ عائد کی جاتی ہے۔پاکستان میں زکوٰۃ کا نظام نافذ کر دیا گیا ہے۔اگر ملک کے تمام جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے شرعی قواعد کے مطابق زکوٰۃ لی جائے اور قرآن و سنت کے مطابق اسے حق داروں پر تقسیم کر دیا جائے تو صرف چند سالوں میں ملک میں کوئی بھوکا ننگا اور حاجت مند نظر نہیں آئے گا۔

5- مفاد عامہ کے لئے قومی ملکیت (Nationalization for Public Interest): اسلام نے افراد کو ذاتی ملکیت کا حق دیا ہے، لیکن یہ حق لامحدود نہیں۔اسلام نے اصول مقرر کیا ہے کہ ملکی وسائل و ذرائع مثلاً پانی، چراگاہیں، معدنی ذرائع، بنجر زمینیں وغیرہ قومی ملکیت ہیں۔جہاں عدل کی خاطر ضروری ہو تو وہاں اسلام ذاتی ملکیت کی اجازت نہیں دیتا۔اگر مفاد عامہ کے لیے کسی صنعت یا تجارت کو حکومت اپنے انتظام میں چلائے تو اسلام اسے ناجائز قرار نہیں دیتا۔

6- معاشرتی ترقی (Social Development): اسلامی ریاست کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اپنی حدود میں معاشرتی تعمیر و ترقی کا اہتمام کرے۔صنعت و حرفت، زراعت اور تجارت کو فروغ دے، کیونکہ معاشی استحکام کے بغیر کوئی ریاست مضبوط نہیں ہو سکتی۔اس کا فرض ہے کہ دفاعی ضروریات پورا کرنے کے لئے سائنس اور صنعتی لحاظ سے ترقی کرے۔اسے چاہئے کہ وہ اسلحہ ساز کارخانے قائم کرے، ایجادات کی حوصلہ افزائی کرے، جدید ترین ہتھیار مہیا کرے، ملک میں ہر قسم کی صنعت کو فروغ دے اور زرعی میدان میں نمایاں ترقی کرے تاکہ ملک ہر لحاظ سے خود کفیل ہو اور ملک کسی کا دست نگر نہ رہے۔اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنائے، زرعی ترقی کے لیے اقدامات کرے، معدنی وسائل کو بروئے کار لائے اور بجلی کی پیداوار کو وسعت دینے کے معقول انتظامات کرے۔اسلامی ریاست اس بات کا بھی خیال رکھتی ہے کہ ملک کی پیداوار میں کمی نہ ہو تاکہ ضروری اشیا کی قیمتیں مناسب سطح سے بڑھنے نہ پائیں۔

7- اجتماعی عدل کا قیام (Establishment of Collective Justice): اس سے یہ مراد ہے کہ ہر فرد کو اپنی شخصیت اجاگر کرنے اور اس کی بہترین نشوونما کے مواقع حاصل ہوں۔ہر شخص کو اپنے حقوق سے مستفید ہونے کی آزادی ہو۔معاشرے میں افراد کے گروہوں اور انجمنوں کو بھی اتنی آزادی حاصل ہو کہ وہ مفادات عامہ کے لیے خدمات سرانجام دے سکیں۔اسلام میں اللہ تعالیٰ نے خود وہ حدود قائم کر دی ہیں جن میں افراد کی آزادی درست معنوں میں پنپ سکتی ہے۔اس نے حلال و حرام اور حقوق و فرائض کی حدود متعین کر دی ہیں۔جو دولت جائز حدود سے تجاوز کر کے لی گئی ہو اسے ضبط کرنے کا اسلامی حکومت کو پورا حق پہنچتا ہے۔لیکن حلال ذرائع سے حاصل ہونے والی دولت پر اس کے حقوق محفوظ ہیں۔اسلامی دستور کے مطابق کسی شخص کی آزادی سلب کرنے کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں۔ریاست کا فرض ہے کہ وہ افراد کی آزادی کا تحفظ کرے تاکہ معاشرے میں مکمل اجتماعی عدل قائم ہو۔

☆☆☆☆☆

ٹیکسٹ بک کی مکمل حل شدہ آزمائشی مشق

﴿انشائی ...... حصہ دوم﴾

مختصر سوالات و جوابات

سوال(i): ریاست کا تعارف بیان کیجئے۔

جواب: ریاست کو انگریزی زبان میں State کہتے ہیں۔ لفظ State لاطینی زبان کے لفظ Status سے ماخوذ ہے۔ ریاست خاندان کو ترقی یافتہ شکل ہے۔ ریاست ایک قدرتی ادارہ ہے جو انسان کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے وجود میں آئی ہے اگر ریاست کا وجود نہ ہو تو معاشرہ انتشار اور بدامنی کا شکار ہو سکتا ہے۔

سوال(ii): انقلاب فرانس 1789ء کا پس منظر کیا ہے؟

جواب: فرانس میں مطلق العنان بادشاہ ظلم اور جبر کے ساتھ عوام کو اپنے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھا جبکہ عوام بادشاہت کے خلاف اپنی آزادی، مساوات اور جمہوریت کے لئے انقلاب کے لیے کوشاں تھے۔ ان حالات میں روسو نے اپنی تحریروں کے ذریعہ انقلاب فرانس کی راہ ہموار کی۔ آخر کار روسو کی تحریروں کی بدولت 1789ء میں فرانس میں انقلاب رونما ہوا۔

سوال(iii): کیا حکومت کا قیام علاقے کے بغیر ممکن ہے؟

جواب: حکومت کا قیام علاقے کے بغیر بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں مغربی یورپ کے کئی ممالک کی حکومتیں لندن میں کام کرتی رہی ہیں جن کے ریاستی علاقوں پر جرمنی کا قبضہ تھا۔ دنیا میں علاقے کے بغیر حکومت کا تصور ممکن ہے جس کو جلاوطن حکومت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سوال(iv): ریاست اور معاشرہ قانون شکن افراد کو کیسے سزا دیتے ہیں؟

جواب: ریاست اور معاشرہ کی طرف سے قانون شکن افراد کو سزا دینے کا طریقہ کار مختلف ہے۔ ریاست قانون شکنی کی صورت افراد کو جیل میں ڈالتی ہے یا جرمانہ عائد کرتی ہے جبکہ معاشرہ رسم و رواجات اور قانون شکنی کی صورت میں افراد کو جسمانی یا مالی سزا نہیں دے سکتا۔ معاشرہ زیادہ سے زیادہ اخلاقی طور پر قانون شکن فرد سے رابطہ منقطع کر سکتا ہے۔

سوال(v): اسلامی ریاست میں قانون کیسے تشکیل پاتے ہیں؟

جواب: اسلامی ریاست میں مقننہ کو قانون سازی کے محدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں بنیادی قانون اللہ تعالیٰ کے احکامات ہوتے ہیں۔ مقننہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں صرف اور صرف اجتہاد کی بنیاد پر قانون سازی کر سکتی ہے۔ اسلامی ریاست میں مقننہ کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتی جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف ہو۔

سوال(vi): لاسکی نے فلاحی ریاست کی کیا تعریف کی ہے؟

جواب: لاسکی کے مطابق ''فلاحی ریاست ایک ایسی تنظیم ہے جو بہت بڑے پیمانے پر معاشی فلاح و بہبود کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے''۔

سوال(vii): ریاست کی اجتماعی ترقی کے لئے منصوبہ بندی کا کیا کردار ہے؟

جواب: ریاست کی اجتماعی ترقی کے لئے منصوبہ بندی مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ منصوبہ بندی سے شہریوں سے محصولات لے کر کثیر رقم اکٹھی کر کے قوم کے اجتماعی کاموں پر خرچ کی جاتی ہے۔ منصوبہ بندی کی بدولت حکومتیں ملک کی اجتماعی ترقی کے لئے طویل المدت منصوبے بناتی ہیں جس سے اجتماعی ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

سوال(viii): فلاحی ریاست کے اسلامی تصور میں غیر مسلموں کی حیثیت واضح کریں۔

جواب: فلاحی ریاست کے اسلامی تصور میں اسلامی ریاست غیر مسلم عوام کو پورا تحفظ فراہم کرتی ہے۔ فلاحی ریاست کے اسلامی تصور میں غیر مسلم اسلامی ریاست میں تمام معاشی' تجارتی اور معاشرتی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتے ہیں۔ البتہ غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں اپنا فلاحی کردار ادا کرنے کے لئے جزیہ دینا پڑتا ہے۔

سوال(ix): ناگہانی آفات سے کیا مراد ہے؟

جواب: ناگہانی آفات سے مراد وہ آفات ہیں جو قدرتی طور پر اچانک بنی نوع انسان پر وارد ہوتی ہیں جن کا مقابلہ کرنا انسانوں کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ ناگہانی آفات میں سیلاب' زلزلے' قحط' بیماریاں اور حادثاتی جنگیں شامل ہوتی ہیں۔ ناگہانی آفات کا مقابلہ کرنے کے لئے حکومتیں اور عوام مل کر کوششیں کرتی ہیں۔

سوال(x): بنیادی انسانی ضروریات کون کون سی ہیں؟

جواب: بنیادی انسانی ضروریات سے مراد وہ لازمی ضروریات ہیں جن کے بغیر کوئی انسان اپنی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ بنیادی انسانی ضروریات میں روٹی' کپڑا اور مکان شامل ہیں' لیکن موجودہ دور میں تعلیم' مفت طبی سہولتیں اور باعزت روزگار کی فراہمی بھی بنیادی انسانی ضروریات میں شامل ہو چکی ہیں۔

سوال(xi): اسلامی ریاست قومی ریاست سے کیسے مختلف ہے؟

جواب: اسلامی ریاست قومی ریاست سے بہت مختلف تصور ہے۔ اسلامی ریاست میں کسی مخصوص نسل' گروہ' زبان یا کلچر سے وابستہ لوگوں کی حکومت کو کوئی مقام نہیں ملتا۔ مغرب میں نسلی اور علاقائی بنیادوں پر قومی ریاستوں کے قیام کا خیال بہت پسند کیا جاتا ہے جبکہ اسلام اس کا بالکل قائل نہیں ہے۔ قومی ریاست کی بنیاد وطن پر ہوتی ہے جبکہ اسلامی ریاست وطنیت کی بجائے عقیدہ مذہب اسلام پر قائم ہے۔

سوال(xii): اسلامی ریاست میں حکومت کے کون سے تین فرائض ہیں؟

جواب: ایک اسلامی ریاست میں حکومت کے ذمے تین بنیادی فرائض عائد ہوتے ہیں:

1- اسلامی ریاست میں حکومت عوام کو بنیادی ضروریات زندگی فراہم کرے۔
2- اسلامی ریاست میں حکومت عوام کو جان و مال کا تحفظ اور سستا انصاف مہیا کرے۔
3- اسلامی ریاست میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ ریاست میں نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کی ذمہ داری ادا کرے۔

سوال(xiii): نظریہ معاہدہ عمرانی پہلی بار کب منظر عام پر آیا؟

جواب: نظریہ معاہدہ عمرانی پہلی مرتبہ قدیم یونانی مفکرین افلاطون اور ارسطو کے دور میں منظر عام پر آیا تھا۔

سوال(xiv): نظریہ قوت سے کیا مراد ہے؟

جواب: نظریہ قوت سے مراد ریاست قوت اور جبر کے نتیجہ میں وجود میں آئی تھی۔ عوام کے گروہ ایک دوسرے سے لڑتے رہے اور جس گروہ کو باقی گروہوں پر فتح حاصل ہوئی' اس کا سردار حکمران بن گیا اور اس نے اپنی قوت کے زور پر مفتوحہ علاقوں پر ریاست قائم کر لی۔

سوال(xv): ریاست کی ابتدا کے متعلق ڈاکٹر لیکاک کیا کہتے ہیں؟

جواب: ریاست کی ابتدا کے متعلق ڈاکٹر لیکاک کا کہنا ہے کہ ''ریاست ایک مخصوص زمانہ کی پیداوار نہیں اور نہ ہی کسی منصوبہ بندی کا پھل ہے' بلکہ مسلسل عمل اور مسلسل ارتقا نے اسے موجود شکل دی ہے۔ یہ تاریخ کے لمبے عمل کے جاری رہنے کے بعد بنی۔''

﴿حصہ معروضی﴾

❑ ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1- خاندانوں اور دیہاتوں کا ایسا اجتماع جس میں افراد خود کفیل اور خوشیوں بھری زندگی گزاریں کیا کہلاتا ہے؟
(الف) قوم (ب) طبقہ (ج) ملت (د) ریاست ✓

2- حکومت (Government) کتنے شعبوں پر مشتمل ہوتی ہے؟
(الف) دو (ب) تین ✓ (ج) چار (د) پانچ

3- ریاست کی ابتدا کا یہ نظریہ درست قرار دیا جاتا ہے:
(الف) نظریہ تخلیق ربانی (ب) نظریہ معاہدہ عمرانی (ج) نظریہ تاریخی ✓ (د) نظریہ جبر وقوت

4- نظریہ معاہدہ عمرانی پیش کرنے والے مفکرین میں غیر متعلقہ مفکر کون سا ہے؟
(الف) تھامس ہابز (ب) لاسکی ✓ (ج) جان لاک (د) روسو

5- پاکستان میں کتنی صوبائی حکومتیں ہیں؟
(الف) دو (ب) تین (ج) چار ✓ (د) پانچ

6- ریاست کی یہ تعریف ''اہل مدینہ ایسے افراد کا گروہ ہے جو ایک مخصوص علاقے میں رہتے ہوں ان کی اپنی حکومت ہو اور وہ اپنے علاقے میں بیرونی دباؤ سے پوری طرح آزاد ہوں'' کس مفکر نے کی ہے؟
(الف) ابن خلدون (ب) شاہ ولی اللہ ✓ (ج) علامہ اقبالؒ (د) امام غزالیؒ

7- مشہور مفکر جان لاک کی پیدائش کب ہوئی؟
(الف) 1632ء میں ✓ (ب) 1634ء میں (ج) 1636ء میں (د) 1638ء میں

8- کتاب سوشل کنٹریکٹ (Social Conract) کے مصنف ہیں:
(الف) اوپن ہائم (ب) ابن خلدون (ج) نطشے (د) روسو ✓

9- نظریہ پدرسری کو پیش کرنے والے مفکر کا نام ہے:
(الف) ارسطو (ب) سر ہنری مین ✓ (ج) لوئی XIV (د) ہمیز

10- امریکہ کی کتنی ریاستیں ہیں؟
(الف) 60 (ب) 55 (ج) 50✓ (د) 45

11- انگلستان میں بادشاہ کی برتری کا قائل تھا:
(الف) تھامس ہابز ✓ (ب) وڈرو ولسن (ج) گارنر (د) برجیس

12- افلاطون نے ایک مثالی ریاست کی آبادی کتنی مقرر کی ہے؟
(الف) 4040 (ب) 5040✓ (ج) 6040 (د) 7040

......☆......